- ۱۹۸۹ء میں اسلامی ورثہ کے تحفظ کے بین الاقوامی کمیشن کے تحت یاقوت المستعصمی کے نام پر استنبول میں منعقدہ دوسرے عالمی مقابلۂ خطاطی میں آپ کو منصف (جج) کے طور پر منتخب کیا گیا۔
- جون ۲۰۰۰ء میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی شہادت کے بعد آپ کو عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا نائب امیر منتخب کیا گیا۔
- جون ۲۰۰۰ء مطابق ۲۳/صفر ۱۴۲۱ھ کو آپ کی خدمت میں اقرأ روضۃ الاطفال کی صدارت قبول کرنے کی درخواست کی گئی جو آپ نے قبول فرمائی۔
- ۲۰۰۲ء میں آپؒ نے آخری سفرِ حج کیا، جس میں آپ کے پوتے زید الحسینی آپ کے ساتھ تھے۔
- حضرت شاہ صاحبؒ تصنیف و تالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے، آپ کی مطبوعہ تصانیف میں برگ گل، مجموعہ کلام، نفائس النبی (نعتیہ کلام) شجرۃ الاشراف، شمائم گلبرگہ، شمائم گیسو درازؒ، سادات گیسو درازؒ، قطب حضرت سید احمد شہیدؒ سے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے روحانی رشتے، حکایت مہر و وفا، قاسم العلوم والخیرات، شعر الفراق، مقالات خطاطی، نفائس القلوب، تاریخ حسینی و تذکرۂ مرشدی، تلخیص سیدنا علی وحسین ریحان عترت قابل ذکر ہیں۔
- آپ کے دستِ مبارک سے لکھے گئے مرقعات پر مبنی کتب یہ ہیں: الاسماء الحسنٰی، اربعین صلوٰۃ وسلام، نستعلیق نامہ، نفائس اقبال، ارمغان نفیس۔
- تصانیف کے علاوہ آپ کے قلم سے متعدد تحقیقی مقالے و مضامین صادر ہوئے، جو مختلف رسائل و اخبارات میں شائع ہوئے۔
- آپ نے متعدد کتابوں کی مکمل کتابت اپنے دستِ مبارک سے کی جن میں دیوان غالب، کلام بابا بلھے شاہ، کلیات میر، شعر باب، سیرت سید احمد شہیدؒ جلد دوم، قادیانیت قابل ذکر ہیں۔اس کے علاوہ قرآن کریم کے کئی اجزا بھی شامل ہیں۔دینی کتب کے ٹائٹل جو آپ کے قلم سے منظر عام پر آئے وہ سینکڑوں سے متجاوز ہیں۔
- رمضان ۱۴۲۶ھ کو آپ نے خانقاہ سید احمد شہیدؒ کا آغاز کیا۔
- ہندوستان، افغانستان اور انگلینڈ کے آپ نے متعدد اسفار کئے جولائی ۲۰۰۷ء میں آپ نے ازبکستان کا سفر کیا۔
- ازبکستان کے سفر میں آپ کے کان میں تکلیف شروع ہوئی جو رفتہ رفتہ دماغ تک جا پہنچی اور ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'' کے مصداق تکلیف میں اضافہ ہوتا رہا اور آپ اس سے صحتیاب نہ ہو سکے۔
- ۵/فروری ۲۰۰۸ء بمطابق ۲۶/محرم الحرام ۱۴۲۹ھ بروز منگل صبح ساڑھے پانچ بجے کے قریب آپ اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔

............☆☆☆............

تصوف کی تعریف، ماہیت واہمیت، خصائل اور ماٰخذ

سید باچا آغا صاحبزادہ
لیکچرر اسلامیات گورنمنٹ ڈگری کالج کوئٹہ

تصوف کی تعریف:

تصوف کی تعریف کے سلسلے میں کافی بحث وتمحیص پائی جاتی ہے، اس کی ابھی تک کوئی ایک تعریف نہیں ہوسکی۔ مختلف لوگوں نے اس کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری نے رسالہ قشیریہ میں تصوف کی بے شمار تعریفات درج کی ہیں جن میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

❁ امام قشیری حضرت جنید بغدادیؒ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ: ''تصوف حضور قلب سے ذکر کرنے اور سن کر وجد میں آنے اور اتباع سنت کرتے ہوئے عمل کرنے کا نام ہے''۔(1) ایک دوسری جگہ حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا ہے کہ: ''تصوف یہ ہے کہ حق تعالیٰ تجھے تیری ذات سے پناہ کردے اور اپنی ذات کے ساتھ زندہ رکھے''۔(2)
❁ حضرت ابوسعید اعرابیؒ فرماتے ہیں کہ: التصوف کله ترك الفضول (یعنی تمام فضولیات کے چھوڑ دینے اور یگانگی کا نام تصوف ہے''۔(3) ❁ امام ابوبکر ابواسحاق فرماتے ہیں کہ: ''حق تعالیٰ کا مطیع وفرمانبردار رہنے کا نام تصوف ہے''۔(4) ❁ حضرت ابوالحسن نوریؒ فرماتے ہیں کہ: التصوف ترك كل حظ للنفس (یعنی تصوف تمام نفسانی حظوظ اور لذتوں سے دست کش ہونا ہے) ایک دوسرے قول میں فرماتے ہیں کہ: الصوفية هم الذين صفت ارواحهم' فصاروا فى الصف الاول بين يدى الحق . (5)

یعنی صوفیائے کرام کا وہ گروہ ہے جن کی جانیں کدورت بشریہ سے آزاد اور آفت نفسانیہ سے پاک وصاف ہوکر آرزوئے تمنا سے بے نیاز ہوگئی ہیں۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ کے حضور بلند درجہ اور صف اول میں آرام گستر ہیں اور ماسوی اللہ سے وہ مکمل کنارہ کش ہوچکے ہیں۔

❁ حصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ: التصوف صفاء السير من كدورة المخالفة یعنی تصوف کی تعریف یہ ہے کہ دل کو مخالفت کی کدورت ومیل سے صاف رکھے مطلب یہ کہ دل کو حق تعالیٰ کی مخالفت سے محفوظ رکھو، کیونکہ دوستی موافقت کا نام ہے اور موافقت، مخالفت کی ضد ہے، دوست کو لازم ہے کہ سارے جہاں میں دوست کے احکام کی محافظت کرے۔(6) ❁ حضرت محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم

فرماتے ہیں کہ: ’’التصوف خلق فمن زاد علیك فی الخلق؛ زادعلیك فی التصوف‘‘ یعنی تصوف پاکیزہ اخلاق کا نام ہے پس جو زیادہ پاکیزہ اخلاق ہو وہ زیادہ صوفی ہے۔‘‘(7) ❁ حضرت ابوعبداللہ رودباریؒ فرماتے ہیں کہ:’’التصوف ترك التکلف و اشتغال التظرف و خلاف المترف‘‘ یعنی تصوف تکلف کو چھوڑنے اور پاکیزگی کا برتاؤ کرنے اور بڑائی کو دور کرنے کا نام ہے۔(8) ❁ حضرت معروف کرخیؒ فرماتے ہیں کہ: تصوف کے معنی ہیں حقائق کا حاصل کرنا۔مخلوق کے ہاتھ میں از قبیل اقتدار جو کچھ ہے اس سے یکسر روگردان ہوجانا۔ (9) ❁ ابومحمد جریریؒ فرماتے ہیں کہ: تصوف کے معنی یہ ہیں کہ جملہ اخلاق حمیدہ اور اوصاف طیبہ کے میدان میں داخل ہوجانا، اور ہر قسم کے اخلاق رذیلہ اور اوصاف ردیہ سے پاک صاف ہوجانا۔ (10) ❁ حضرت علی ہجویری داتا گنج بخشؒ کشف المحجوب میں لکھتے ہیں کہ: ’’الصفا ولایة ولها آیة وروایة والتصوف حکایة للصفابلاشکایة‘‘ (صفاولایت کی منزل ہے اور اس کی نشانیاں ہیں اور تصوف ’’صف‘‘ کی ایسی حکایت وتعبیر ہے جس میں شکوہ وشکایت نہ ہو۔(11) ❁ حضرت ابوالحسن سیروانیؒ فرماتے ہیں کہ:التصوف ترك الخلق و افراط الهمة (12) ’’یعنی تصوف خلق کے ترک اور ہمت کی زیادتی کا نام ہے‘‘۔ ❁ عارف عبدالمتین لکھتے ہیں کہ: ’’تصوف نوں شرعت تے طریقت دے وسیلے نال سچائی تیک اپڑن دا اک عملی منصوبہ قرار دتا جاسکدا۔‘‘(13) یعنی تصوف کو شریعت اور طریقت کے وسیلے سے سچائی تک پہنچنے کا ایک عملی طریقہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

ان تعریفات کی روشنی میں اس حقیقت کا تعین مشکل نہیں کہ تصوف قلب کی پاکیزگی، حقیقت مطلق کو پانے کی تڑپ، اوصاف حمیدہ کے حصول، بلندیٔ اخلاق اور ترک علائق کا نام ہے۔تصوف کی راہ سے انسان نے نیک خلق حاصل کیا، قناعت کا درس سیکھا، ضبط نفس کے مراحل سے گزرا اور آگہی کی منازل کو طے کیا۔ظاہر ہے کہ انسانی سیرت اور خصائل وفضائل کی معراج اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے۔

تصوف کی اہمیت:

انسانی وجود کے ارتقاء، ارتفاع اور بقاء کا دارومدار جسم اور روح کی ہم آہنگی پر ہے، یوں بھی ہر چیز کی دو رخ ہوتی ہے ایک ظاہری اور دوسرا باطنی، خارج کا تعلق انسان کی ظاہری ساخت اور برتاؤ سے ہوتا ہے، جبکہ باطن کا تعلق انسان کے اندر کے ساتھ ہوتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ باہر کے رویوں کا تعین اندر کے محرکات سے ہوتا ہے اور اندر کے رویوں کا تعین خارجی ماحول کے تحت ہوتا ہے۔اسلام میں ان دونوں پہلوؤں کو دو اصطلاحات کے ذریعے بیان کیا جاتا ہے، ایک شریعت اور دوسری طریقت۔ایک کا تعلق عبادات سے ہے اور دوسری کا تعلق معاملات سے، ایک کا تعلق عمل سے ہے دوسری کا سوچنے سے اور محسوس کرنے سے۔بالفاظ دیگر شریعت ارکان اسلام کی پابندی سے

متعلق احکامات پر مشتمل ہے' جبکہ طریقت کا تعلق باطن کی پاکیزگی اور سوچ و احساس کے ذریعے داخلی رویوں کے اصلاح کے ساتھ ہے۔ لیکن جس طرح جسم اور روح کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا اسی طرح شریعت اور طریقت بھی ایک دوسرے میں ضم ہیں۔ تصوف کا تعلق اگرچہ دونوں کے ساتھ ہے لیکن اس کا زیادہ جھکاؤ طریقت کی طرف ہوتا ہے' یعنی اندر کی طرف اس کا جھکاؤ زیادہ ہے۔ یوں بھی تصوف Mysticism اصل کے اعتبار سے یونی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی آنکھیں بند کرلینا ہیں (14) ''یعنی اسے دنیائے محسوسات سے ہٹ کر باطنی حقیقت کی طرف رجوع کرلینا کہا جاسکتا ہے''، کہ تصوف تزکیہ نفس کے بعد اپنی اصل سے واصل ہوجانے کے ذوق کا سفر ہے یعنی پاکیزگیٔ باطن کے عمل سے گزر کر حقیقت مطلق سے ہمکنار ہونے کا۔

تصوف مذہب کی روح ہے کیونکہ تصوف کی رہنمائی میں انسان مقصودِ حقیقی کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے دل کو بھی اسی کی نگہبانی میں دے دیتا ہے۔ انسان کی خارجی زندگی جس کا تعلق عقل کے ساتھ ہے یا روحانی زندگی جس کا تعلق باطن کے ساتھ ہے، تصوف کی کارفرمائی ہر کہیں جاری و ساری رہی ہے۔ مذہب کی طرح تصوف بھی ایک عالمگیر صداقت ہے، جس طرح تصورِ مذہب سے کوئی قوم خالی نہیں ہے اسی طرح تصوف بھی ہر قوم میں کارفرما رہا ہے۔ صوفی خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو' عشق کو جزوِ حیات بنا کر ہی سلوک کی راہیں طے کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ عشق پر عامل انسان تمام رذائل اخلاق سے پاک ہوجاتا ہے کیونکہ عشق تمام انسانی عیوب کا ازالہ کردیتا ہے، بقول رومی :

شادباش اے عشق خوش سودائے ما ۔۔۔ وے طبیب جملہ علت ہائے ما

اور

ہر کرا جامہ زعشقے چاک شد ۔۔۔ او، زحرص و آز، کلی پاک شد
(15)

تصوف کی ماہیت :

اقوامِ عالم کے صوفیانہ ادب اور صوفیوں کے اقوال کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اپنی ماہیت کے اعتبار سے تصوف اس اشتیاق کا نام ہے جو ایک صوفی کے دل و دماغ میں خدا سے ملنے کے لیے اس شدت کے ساتھ موجزن ہوتا ہے کہ اس کی پوری عقلی و جذباتی زندگی پر غالب آجاتا ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ صوفی، اسی یعنی خدا کو اپنا مقصودِ حیات بنالیتا ہے۔ گفتگو کرتا ہے تو اسی کی، خیال کرتا ہے تو اسی کا، یاد کرتا ہے تو اسی کو، کلمہ پڑھتا ہے تو اسی کا، شفق کی سرخی میں، دریا کی روانی میں، پھولوں کی مہک میں، بلبل کی آواز میں، تاروں کی چمک میں، صحرا کی وسعت میں، باغ کی شادابی میں، غرض کہ تمام مظاہرِ فطرت اور مناظرِ قدرت میں اسی خدائی

کا جلوہ نظر آتا ہے:

سمایا ہے تو جب سے نظروں میں میری　　　جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

خدا، خالق کائنات ہے اور انسان اس سے رابطہ پیدا کرسکتا ہے۔ اس رابطے کی بنیاد اس بات پر ہے کہ خدا خود بندوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ: ﴿وقال ربكم ادعوني استجب لكم﴾ (16) اگر تم مجھے پکارو گے تو میں جواب دوں گا۔ پھر مذہب نے دو چیزیں پیش کیں، پہلی چیز یہ ہے کہ اگر میری اطاعت کرو گے تو میں تمہیں اس کی جزا دوں گا یعنی جنت میں داخل کروں گا: اور اگر میری نافرمانی کرو گے تو سزا دوں گا یعنی دوزخ میں ڈال دوں گا۔ دوسری چیز یہ کہ اگر اطاعت کے علاوہ تم مجھ سے محبت کرو گے تو میں تم سے محبت کروں گا اور اس محبت کا ثمرہ یہ ملے گا کہ تمہاری شخصیت میں میری صفات منعکس ہو جائیں گی، اور اس قرب یا اتصال کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم بچشم دل میرا دیدار کرسکو گے۔ اسی لیے اہل مذہب دو گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ جن لوگوں میں عقل کا غلبہ تھا انہوں نے صرف اطاعت شریعت کو کافی سمجھا اور جنت کو مقصود بنالیا، لیکن جن لوگوں پر عشق کا غلبہ تھا انہوں نے اطاعت کے علاوہ محبت (طریقت) کو بھی ضروری سمجھا یعنی دیدار کو مقصود بنالیا۔ اسی دوسرے طبقے کے افراد کو عرف عام میں صوفی کہتے ہیں، اور اس تصریح سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ہر صوفی دراصل عاشق ہوتا ہے۔ عشق اور تصوف مترادف الفاظ ہیں۔

تصوف ہی وہ رہنما، مشیر اور ناصح ہے کہ ہر وقت سالک کو تلقین کرتا ہے کہ دیکھنا کہیں مقصود، نگاہ سے اوجھل نہ ہوجائے، اے انسان! تیرا مقصود حقیقی، اللہ سے رابطہ یا تعلق پیدا کرنا ہے' اس لیے جب تو نماز پڑھنے کھڑا ہو اور یہ دیکھے کہ مصلّٰی پاک ہے یا نہیں؟ منہ قبلے کی طرف ہے یا نہیں؟ تو ان ظواہر کے ساتھ ساتھ یہ بھی تو دیکھ کہ تیرا تصور پاک ہے یا نہیں؟ دل اللہ کی طرف ہے یا نہیں؟ وقس علی هذا۔ اگر بحالت نماز تیرا دل دنیا کی طرف ہے تو ایسی نماز بے حضوری سے، ظاہر شرع کا تقاضا تو پورا ہو جائے گا لیکن اللہ سے تعلق پیدا نہ ہو سکے گا، اور جب اس سے تعلق پیدا نہ ہوا تو نماز کا مقصود حقیقی بھی فوت ہو گیا۔

تصوف سالک کو متنبہ کرتا ہے کہ اگر تو اللہ سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل ہو گیا' تو ہفتوں بلکہ مہینوں میں بھی اس غفلت کی تلافی نہ ہو سکے گی۔ تصوف دل کی نگہبانی کا دوسرا نام ہے' کیونکہ انسان بظاہر جسم اور نفس کا نام ہے مگر درحقیقت دل کا نام ہے اور اگر دل مسلمان نہ ہوسکا تو رکوع وسجود یا زبان سے خدا کا اقرار، دونوں بے معنیٰ ہیں۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ، تو کیا حاصل　　　دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

پس تصوف، دل و نگاہ کو مسلمان بنادیتا ہے اور تصوف کے علاوہ دل و نگاہ کو مسلمان بنانے کی اور کوئی صورت نہیں ہے۔

تصوف، انسانی روح کا ذاتی تقاضا ہے' اپنی اصل سے واصل ہونے کے لیے' جو اس کی گہرائی میں سے ابھرتا ہے۔ اس تقاضے کا انسان کی خارجی (مادی) دنیاوی زندگی سے کوئی علاقہ نہیں ہے یعنی یہ تقاضا خارج سے انسان پر وارد نہیں ہوتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مناسب ماحول میسر نہ آسکے تو دب جاتا ہے اور اگر میسر آجائے تو اس میں شدت پیدا ہوجاتی ہے۔ اس تقاضے کا نتیجہ اس رجحان طبع کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جس کی بدولت انسان اپنی پوری شخصیت کو دنیا کی عارضی اور فانی دلچسپیوں سے ہٹا کر، خدا سے وابستہ کردیتا ہے، اور اپنی پوری توجہ اس کے حصول پر مرکوز کردیتا ہے۔ یہ رجحان طبع، انسان کے دل میں خدا، خودی اور کائنات کا ایک خاص تصور قائم کردیتا ہے مثلاً:

(الف) اس کی نگاہ میں حقیقی وجود صرف خدا کے لیے ہے۔ حقیقی معنی میں صرف خدا ہی موجود ہے۔

(ب) خودی (روح) اس حقیقی وجود سے صادر ہوئی ہے جیسے آفتاب سے شعاع کا صدور ہوتا ہے۔ اسی لیے خودی اور خدا میں ایک شدید رابطہ ہے۔ مولانا رومی کہتے ہیں کہ:

اتصال بے تکیف بے قیاس　　　هست رب الناس راباجان ناس

(17)

یہی وجہ ہے کہ خودی یا روح کو مادی دنیا کی کسی چیز سے قرار یا اطمینان حاصل نہیں ہوسکتا۔ ہو بھی کیسے سکتا ہے؟ صحبت ناجنس تو عذاب الیم ہے۔ جس سے آشنائی نہ ہو اس کی صحبت کیسے راس آسکتی ہے؟ اسی لیے تو اقبال نے یہ مشورہ دیا ہے کہ ؎

از همه کس کناره گیر صحبت آشنا طلب　　　هم ز خدا خودی طلب ، هم ز خودی خدا طلب

(ج) کائنات کیا ہے؟ خدا کی جلوہ گاہ ہے۔ ہر شی سے وہی ظاہر ہو رہا ہے' یعنی کائنات مظہر اسماء وصفات ہے، عطار کہتا ہے کہ ؎

چشم بکشا که جلوهٔ دلدار　　　متجلی است از در و دیوار

تصوف کے معانی وخصائل

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ: تصوف دس معانی پر مشتمل نام ہے۔

❁ پہلا یہ کہ دنیا کی ہر شی میں کثرت کی بجائے قلت پر اکتفا کرے۔ ❁ دوسرا یہ کہ اسباب پر بھروسہ کرنے کی بجائے اللہ ﷻ پر قلب کا اعتماد رکھے۔ ❁ تیسرا یہ کہ نفلی طاعات کے ساتھ فرض پورا کرنے میں رغبت رکھے۔ ❁ چوتھا یہ کہ دنیا چھوٹ جانے پر صبر کرے اور دستِ سوال و زبانِ شکوہ دراز نہ کرے۔ ❁ پانچواں یہ کہ قدرت کے باوجود کسی شئے کے حصول کے وقت (حلال و حرام وغیرہ کی) تمیز رکھے۔ ❁ چھٹا یہ کہ تمام مشغولیات کے

مقابلے میں اللہ کے ساتھ شغل رکھنے کو ترجیح دے۔ ❁ ساتواں یہ کہ تمام اذکار کے مقابلے میں ذکر خفی کو فوقیت دے۔ ❁ آٹھواں یہ کہ وساوس آنے کے باوجود اخلاص کو ثابت اور پختہ رکھے۔ ❁ نواں یہ کہ شک کی وجہ سے یقین کو متزلزل نہ ہونے دے۔ ❁ دسواں یہ کہ اضطراب اور وحشت کو چھوڑ کر اللہ ﷻ کے ساتھ انس اور سکون حاصل کریں جو شخص ان صفات کا حامل ہو وہ اس نام کا یعنی صوفی کہلانے کا مستحق ہے ورنہ کاذب ہے۔ (18) اسی طرح حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

التصوف مبنی علی ثمان خصالٍ ، السخاء و الرضا و الصبر والاشارة و الغربة و لبس الصوف و السیاحة و الفقر۔

تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتوں پر ہے، سخاوت، رضا، صبر، اشارہ، غربت، صوف کے کپڑے پہننا، سیاحت اور فقر۔ یہ آٹھ خصلتیں آٹھ نبیوں کی اقتداء میں ہیں:۔

سخاوت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہ آپ نے فرزند کو فدا کیا۔ رضا حضرت اسماعیل علیہ السلام سے کہ بوقت قربانی اپنی رضا دی اور اپنی جان عزیز پیش کیا۔ صبر حضرت ایوب علیہ السلام سے کہ بے پایاں بلاؤں پر صبر کیا اور خدا کی فرستادہ آزمائشوں پر ثابت رہے۔ اشارہ حضرت زکریا علیہ السلام سے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا۔ ﴿ان لاتکلم الناس ثلثة ایام الارمزاً﴾ (آپ تین دن تک لوگوں سے کلام نہ فرمائیں گے) اور اسی سلسلہ میں ارشاد باری ہے:۔ ﴿اذنادیٰ ربہ نداء خفیا﴾ (جب انہوں نے اپنے رب کو آہستہ پکارا)۔ غربت حضرت یحییٰ علیہ السلام سے کہ وہ اپنے وطن میں مسافروں کی طرح رہے کہ اپنے خاندان میں رہتے ہوئے اپنوں سے بیگانہ رہے۔ سیاحت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہ وہ اپنی سیاحت میں یک وتنہا مجردوں کی مانند رہے کہ بجز ایک پیالہ اور کنگھی کے نہ رکھا۔ جب انہوں نے کسی کو دیکھا کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو ملا کر پانی پیتا ہے تو پیالہ بھی کسی اور کو دیدیا؛ جب کسی کو دیکھا کہ انگلیوں سے بالوں میں خلال کررہا ہے تو کنگھی بھی صدقہ کردی۔ صوف کا لباس حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہ انہوں نے اونی کپڑے پہنے اور فقر حضور سرور دو عالم محمد ﷺ سے کہ باوجود اس کے کہ حق تعالیٰ نے روئے زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں آپ ﷺ کو مرحمت فرمائیں اور فرمایا کہ خود کو مشقت میں نہ ڈالیں، آپ ﷺ ان خزانوں کو استعمال فرما کر آرائش اختیار فرمائیں؛ تو بارگاہ الٰہی میں آپ ﷺ نے عرض کیا اے خدا؛ مجھے اس کی حاجت نہیں، میری خواہش تو یہی ہے کہ ایک روز شکم سیر ہوں تو دو روز فاقہ کروں۔ یہ اصول ہیں جو افعال و کردار میں عمدہ نیکی ہیں۔ (19)

تصوف کے ماخذ:۔

بعض کج اندیش اور سہل انگار لوگ علم وعمل سے بالکل عاری ہوتے ہیں، اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ تصوف اسلام سے جداگانہ چیز ہے؛ جسے قرآنی تعلیمات سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ تصوف کلیۃ اسلام

ہے، اسلام کی روح ہے، اسلام کا حسن و جمال ہے، اسلام کا کمال ہے، تصوف کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ کتاب وسنت پر انتہائی کوشش سے عمل کیا جائے۔ طاعات و عبادات کو مقصود حیات سمجھا جائے، قلب کو ماسویٰ اللہ کی محبت اور تعلق سے الگ رکھا جائے، نفس کو خشیت الٰہی سے مغلوب کیا جائے اور معاملات کی صفائی اور تزکیہ نفس و باطن میں سعی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جائے۔ قرآن کریم کی روشنی میں تصوف ﴿الا للہ الدین الخالص﴾ (یادرکھو اللہ تعالیٰ کے واسطے خالص عبادت ہے) کی تفسیر ہے، تصوف ﴿الیٰ ربك كدحا فملقيه﴾ (خوب محنت کرو کہ تو اپنے پالنے والے کو ملنے والا ہے) کی تصدیق ہے، تصوف ﴿وتبتل اليه تبتيلا﴾ (ہر طرف سے منقطع ہو کہ اس کی یعنی اللہ کی طرف ہو جانا) کی تعمیل ہے، صوفی ﴿قد افلح من زکھا﴾ (تحقیق اس شخص نے فلاح پائی جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا) سے حوصلہ افزائی پاتا ہے۔ صوفی ﴿ واما من خاف مقام رب ونهى النفس عن الهوىٰ فان الجنة هي المأوىٰ﴾ (اور جو شخص اس بات سے ڈرا کہ اس نے ایک دن اپنے رب کے آگے کھڑا ہونا ہے اور اس خوف کی وجہ سے اپنے نفس کو خواہشات سے روکا پس تحقیق اس کے رہنے کی جگہ جنت ہوگی) سے متاثر ہو کر خواہشات نفسانی کی گردن پر مجاہدہ کی چھری پھیرتا ہے۔ صوفی ﴿ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین﴾ (یقیناً میری نماز، میری قربانیاں میرا مرنا، میرا جینا، اللہ پروردگار عالم کے لیے ہے) کے آب حیات میں غوطہ لگاتا ہے اور صبغۃ اللہ کے رنگ میں رنگین ہوتا ہے۔ تصوف کا سب سے بڑا ماخذ اور منبع قرآن مجید ہے۔ اس کتاب ہدیٰ میں سینکڑوں ایسی آیات موجود ہیں جن میں تزکیہ نفس کی تلقین کی گئی ہے۔ اور حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت فرمائی گئی ہے کہ ''اے محبوب! بنی نوع انسان کو قرآنی آیات پڑھ کر سنائیں، ان کے دامن کو خلوص کی دولت سے بھر دیں اور ان کو ایسی حکمت و دانش سکھا دیں جو آپ ﷺ کو دربار خداوندی سے عطا ہوئی ہے، تا کہ انسانیت فلاح دارین سے فیض یاب ہو، کیونکہ اے محبوب ﷺ اور آپ کے درود مسعود کا مقصود و مدعا ہی یہ ہے۔ ارشاد ربانی ہے :۔

﴿هوالذی بعث فی الامیین رسول منهم یتلوا علیهم آیاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب و الحکمة﴾(20)

''یعنی وہی ہے جس نے ان میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب اور حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں۔ حضور ﷺ کا پہلا فریضہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات طیبات کو اپنی پاکیزہ زبان سے تلاوت فرمائیں تا کہ وہ دلوں میں اترتی چلی جائیں، صرف ان آیات کی تلاوت پر بس نہ کریں بلکہ اس کتاب کی انہیں تعلیم بھی دیں، اس کے حکمتوں اور اس کے اسرار سے آگاہ بھی کریں بلکہ اپنی نگاہ رحمت سے دلوں کو ہر طرح کی آلائشوں سے پاک و مطہر کر دیں۔

علامہ سید محمود آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ یتلوا علیھم سے اس استفادے کی طرف اشارہ کیا گیا جو زبان قال سے صحابہ کرامؓ کو نصیب ہوا، اور یزکیھم سے اس قلبی فیضان کی طرف اشارہ فرمادیا جو نبوت کی نگاہ فیض اثر اور توجہ باطنی سے انہیں میسر آتا تھا۔(21)۔ اولیائے کرام اپنے مریدین اور اہل تصوف اپنے شیدائیوں پر اسی سنت نبوی ﷺ کے مطابق انوار کا القاء کرتے ہیں اور شریعت سے آگے بڑھ کر معرفت کی طرف رہنمائی کرتے اور طریقت کی اطمینان بخش وادی کی سیر کرادیتے ہیں اوران کے دل ونفوس پاک وطاہر ہوکر فلاح دارین حاصل کرلیتے ہیں۔

علامہ آلوسیؒ فیضان نگاہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مرشد کامل کی توجہ اور تعلق خاطر کی برکت کا' میں انکار نہیں کرتا بلکہ بفضلہ تعالیٰ میں نے خود مشاہدہ کیا ہے۔

اہل تصوف بھی آفتاب رسالت کی اسی الہامی کتاب ہدیٰ کے احکام پر عمل پیدا ہوکر اور رسالت کی شمع سے مستفید ہوکر منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں اوراپنے مریدوں کا تزکیہ قلب کرتے ہیں۔ (22)

قرآن مجید کی اکثر آیات صفائی دل، صدق مقال اور اکل حلال کی تلقین کرتی ہیں۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے کہ:۔ یا ایھا الذین آمنوا لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل (۲۳) یعنی اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ سے مت کھاؤ۔ مولانا رومی اسی سلسلے میں گویا ہوئے ہیں کہ :۔

علم و حکمت زاید از نان حلال　　　عشق ورقت آید از نان حلال

تقویٰ اور پرہیزگاری دین کی بنیاد ہے جبکہ تصوف کا مقصود اور مطلوب تقویٰ ہے۔ اس بارے میں قرآن مجید نے بار بار متقین کی تعریف کی ہے اور متقی بننے کے طور طریقے بھی بتائے ہیں۔ مثال کے طور پر ارشاد خداوندی ہے کہ

﴿یاآیھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون﴾ (24)

اے ایمان والوں! تم پر روزے فرض کردیئے گئے ہیں جس طرح کہ تم سے پہلی امتوں پر فرض کیے گئے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ ﴿خیر الزاد التقویٰ﴾ (25) بہترین توشۂ آخرت تقویٰ ہے۔

دوسری جگہ فرمایا ہے: ﴿ان للمتقین مفازاً﴾ (26) بیشک متقین کے لیے بڑی کامیابی ہے۔

صوفیہ ذکر الہٰی' بالفاظ دیگر محبوب کے ذکر کو اولیت دیتے ہیں، عشق ومحبت کی دنیا میں حبیب محبوب کو کسی وقت بھی فراموش نہیں ہوتا' چنانچہ ارشاد خداوندی ہے کہ ﴿ والذین آمنوا اشد حبالله﴾ (27) اور ایمان والے اللہ کی محبت میں سخت ہوتے ہیں۔ صوفیوں کے نزدیک وہ نیکی قبولیت کے زیور سے آراستہ ہوتی ہے جس میں خلوص ہو، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے کہ ﴿لن تنالوا البر حتی تنفقوا مماتحبون﴾ (28) تم ہرگز نیکی کو نہ پاسکتے ہو جب تک اس چیز سے خرچ نہ کرو جو تمہیں بہت پسند ہیں۔

شیخ ابوالنصر سراجؒ فرماتے ہیں کہ:۔ قرآن مجید میں ایسے الفاظ اور عبارات کثرت سے آتے ہیں جن سے مراد اہل تصوف ہیں۔ مثلاً صادقین، صادقات، قانتین، قانتات، خاشعین، مؤمنین، مخلصین، محسنین، خائفین، عابدین، ذاکرین، صابرین، راسخین، متوکلین، مقتدین، سارعین الی الخیرات اور متقین۔ (29)

تصوف کا دوسرا ماخذ حدیث شریف وسنت خیر الانام ﷺ ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ" الذکر خیر من الصدقة" ذکر صدقہ سے بہتر ہے۔

دوسری جگہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ:۔ "خیر الذکر الخفی" بہترین ذکر، ذکر خفی ہے،

چونکہ حضور ﷺ محبوب رب العالمین ہیں، تو آپ کی متابعت کرنے والے، آپ ﷺ کی متابعت کے واسطے سے مرتبۂ محبوبیت تک پہنچ جاتے ہیں، کیونکہ محبّ جس میں بھی اپنے محبوب کے شمائل و عادات واخلاق پاتا ہے اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہے۔ اسی ضمن میں حدیث مبارکہ ہے جس کا مضمون واضح طور پر محبت رسول ﷺ کو مدعائے کائنات بتاتا ہے:۔ لایؤمن أحدکم حتی أکون أحب الیه من والده وولده و الناس أجمعین (30)

تم میں سے کوئی (کامل) مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے اس کے والدین، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہیں ہوتا۔

الغرض قرآن کریم کی متعدد آیات میں طلب مغفرت، صبر و رضا، مجاہدہ، توکل، عبادت، دنیا کی بے ثباتی، اسرار و معارف، تجسس کائنات اور اس کی ابتدا و انتہاء کا علم، تخلیق اور اس کے مقاصد کی تفہیم اور رجوع الی اللہ کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ قرآن مجید کو عملی طور پر پیش کرنے اور اس کی تفسیر وحقیقت کو سمجھانے کے لیے اسوۂ کامل رسول ﷺ پر انحصار کرنا پڑا، اور احادیث وسنت کی اصلیت وحقیقت کو ازبر کرنے کے لیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طرز علم و عمل کو پیش نظر رکھنا ضروری ہوا۔ یہی تینوں انداز تصوف و تزکیہ کے ماخذ ٹھہرے اور حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

جو شخص کلام الٰہی کا حافظ اور احادیث رسولؐ کا عالم نہیں، اس کی تقلید طریقت کے باب میں درست نہیں، اس لیے کہ ہمارے اس سارے علم سلوک کا ماخذ قرآن و حدیث ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں علم حدیث و اصول فقہ وغیرہ جدا جدا متمیز نہ تھے، بلکہ پچھلے زمانے میں قرآن و حدیث سے استنباط کر کے بہت سے علوم نکالے گئے اور ہر ایک کا جداگانہ نام تجویز ہوا، اور ان کے واضعین (بنانے والوں) کو سب نے امام مانا، حتیٰ کہ امام شافعیؒ جیسے حضرات کو امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے تفقہ فی الدین (دین کی سمجھ) کو دیکھ کر" الناس فی الفقه عیال علی ابی حنیفه" (لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کے محتاج ہیں) کہنا پڑا۔ امام بخاریؒ حدیث میں ایسے امام مانے گئے کہ آج تک ان کے تبحر فی الحدیث (حدیث میں کامل ہونے) کا شہرہ ہے۔ اسی طرح تزکیہ باطن کی تعلیم دینے والے ایسے بزرگان دین گزرے ہیں کہ ان کو سب نے پیشوا مانا ہے جیسے پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، خواجہ بہاؤ

الدین نقشبندیؒ، خواجہ معین الدین چشتیؒ اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اور ان سے پیشتر حضرت جنید بغدادیؒ وغیرہ۔ اور جس طرح پچھلوں کو اگلوں کی تقلید و پیروی سے چارہ نہیں، علم تصوف میں بھی بدون اتباع طریقۂ بزرگان چارہ نہیں۔ گو ادنی درجہ کا تزکیہ جو موجب نجات ہے بدوں اتباع مشائخ طریق بھی میسر ہو سکتا ہے۔ مگر وہ امر کہ مطلوب ہے اور کمال کہلاتا ہے اس کا حصول بدون صحبت کاملین کے ممکن نہیں۔ (31)

حضرات صوفیائے کرام میں جو بیعت معمول ہے جس کا حاصل التزام احکام (یعنی اعمال ظاہری و باطنی پر استقامت) اور اہتمام کا معاہدہ ہے جس کو صوفیاء کے عرف میں ''بیعت طریقت'' کہتے ہیں۔ بعض اہل ظاہر اس کو اس بناء پر بدعت کہتے ہیں کہ حضور ﷺ سے منقول نہیں، صرف کافروں کو بیعت اسلام اور مسلمانوں کو بیعت جہاد کرنا معمول تھا مگر ذیل کے حدیث میں اس بات کا صریح اثبات موجود ہے کہ یہ مخاطبین چونکہ صحابہ ؓ ہیں اس لیے یہ بیعت اسلام یقیناً نہیں کہ تحصیل حاصل لازم آتا ہے اور مضمون بیعت سے بھی ظاہر ہے کہ بیعت جہاد بھی نہیں، لہذا حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ:۔ عن عوف بن مالك الاشجعی قال كنا عند النبی صلی الله علیه و آله وسلم تسعة او ثمانیة او سبعة' فقال: الاتبائعون رسول الله ﷺ فبسطنا ایدینا و قلنا علیٰ مانبایعك یارسول الله ، قال علی ان تعبدوالله ولاتشركوا به شیئاً وتصلوا الصلوٰة الخمس وتسمعوا وتطیعوا۔ (32)

حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے نو آدمی تھے یا آٹھ یا سات، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم رسول ﷺ سے بیعت نہیں کرتے، ہم نے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور عرض کیا کہ کس امر پر آپ ﷺ کی بیعت کریں یارسول اللہ ﷺ، آپ ﷺ نے فرمایا ان امور پر کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو اور پانچوں نمازیں پڑھو اور (احکام) سنو اور مانو۔

مذکورہ بالا حدیث سے بدلالت الفاظ معلوم ہے کہ اہتمام و التزام اعمال کے لیے ہیں۔ لہذا بیعت کی سنت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ بیعت کی اصل حقیقت خود لفظ بیعت و ارادت اور مرید کی اصطلاح بلکہ لفظی معنی ہی سے واضح ہو جاتی ہے۔ ارادہ محض آرزو اور تمنا کا نام نہیں بلکہ مراد کو پورا کرنے کے لیے ضروری اسباب و وسائل کی بہم آوری میں لگ جانا یا منزل مقصود کی طرف چل پڑنا ہے' اور مرید بھی اصطلاحاً وہ ہے جو اپنی دینی خصوصاً باطنی و قلبی اصلاح و درستی کو مراد و منزل بنا کر اس کے ضروری وسائل اختیار کرتا اور اس کیطرف چل پڑتا ہے۔ اور بیعت کے معنی ہیں اس منزل مقصود کے لیے کسی زیادہ واقف کار کو رہبر و رفیق بنالینا اور اس کے پیچھے یا ساتھ چلنا تا کہ نہ صرف گمراہی کے خطرات سے حفاظت ہو' بلکہ راستہ سہولت و راحت سے قطع ہو۔ بالفاظ دیگر اپنے سے زیادہ واقف و ماہر مصلح کے ہاتھ میں اپنے کو اس طرح سونپ دے جیسے مریض اپنے کو کسی حاذق طبیب کے حوالے کر دیتا اور دوا و پرہیز میں کاملاً اس کی تجویز و ہدایت پر عمل کرتا ہے۔ (۳۳)

عادۃ اللہ یونہی جاری ہے کہ کوئی کمال بغیر استاد کے حاصل نہیں ہوتا، تو جب اس راہ طریقت میں آنے کی توفیق ہو، تو استاد طریق کو ضرور تلاش کرنا چاہیئے جس کے فیض تعلیم و برکت و محبت سے مقصود حقیقی تک پہنچے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ:۔

یار باید راہ را تنہا مرو   بی قلاؤز اندرین، صحرا مشو

یعنی باطنی راستہ کے لیے کوئی رفیق ساتھ لے لو، تنہا اس راستہ کو طے کرنے کا ارادہ نہ کرو، کیونکہ تم تنہا اس کو قطع نہیں کر سکتے۔ اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ:۔ عن ابی ھریرہ ؓ قال ، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "المرء علی دین خلیلہ فلینظر احدکم من یخالل"۔ حضرت ابو ہریرۃ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ آدمی دوست کے طریق پر ہوتا ہے، سو ذرا دیکھ لیا کرے کہ کس کے ساتھ دوستی کرتا ہے۔

ظاہر ہے کہ پیر سے اعلیٰ درجہ کی محبت ہوتی ہے اور جب معمولی دوستی دین کے اندر مؤثر ہے، تو اتنی بڑی دوستی اس تاثیر سے کیسے خالی رہے گی۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ پیر کے عقائد، اعمال و اخلاق کا اثر مرید میں سرایت کرتا ہے، اگر زیادہ نہیں تو کم از کم استحسان ہی کے درجہ میں ضرور اثر کرتا ہے یعنی مرید ان امور کو مستحسن سمجھتا ہے، پس اگر پیر کی حالت خراب ہوئی تو مرید کا خراب ہونا ظاہر ہے۔ اس لیے تلاش پیر میں بڑی احتیاط چاہئے۔ چونکہ بغیر علامات کے تلاش ممکن نہیں اس لیے شیخ کامل کی حقیقت اور اس کے شرائط و علامات جاننا بھی لازمی ہے۔ لہذا مولانا رومی فرماتے ہیں کہ:۔

کار مردان روشنی و گرمی است   کار دونان حیلہ و بی شرمی است

روشنی سے مراد نور ایمان و عرفان اور گرمی سے مراد گرمئ عشق ہے، اس میں شیخ کامل کی پہچان کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے صفات معرفت اور عشق الٰہی ہے اور جو کمینے اور جھوٹے ہیں ان کی عادت حیلہ یعنی مکر و فریب اور بے حیائی ہے، لہٰذا شیخ کامل کے علامات یہ ہیں کہ علم شریعت سے بقدر ضرورت واقف ہو، خواہ تحصیل سے یا صحبت علماء سے، تاکہ فساد عقائد و اعمال سے محفوظ رہے اور طالبین کو بھی محفوظ رکھ سکے، ورنہ بمصداق ع

درخویشتن گم است کرا رھبری کند

عقائد، اخلاق و اعمال میں شرح کا پابند ہو، تارک دنیا، راغب آخرت ہو، ظاہری و باطنی طاعات پر مداومت رکھتا ہو، کمال کا دعویٰ نہ کرتا ہو کہ یہ بھی شعبۂ دنیا ہے۔ بزرگوں کی محبت اٹھائی ہو، ان سے فیوض و برکات حاصل کئے ہوں، تعلیم و تلقین میں اپنے مریدوں کے حال پر شفقت رکھتا ہو اور ان کی کوئی بری بات سنے یا دیکھیں تو ان کو روک ٹوک کرتا ہو، یہ نہ ہو کہ ہر ایک کو اس کی مرضی پر چھوڑ دے۔

جولوگ اس سے بیعت ہیں ان میں اکثر کی حالت باعتبار اتباع شرع وقلت حرص دنیا کے اچھی ہو۔اس زمانہ کے منصرف علما و مشائخ اس کو اچھا سمجھتے ہو۔ بنسبت عوام کے خواص یعنی فہم رکھنے والے دیندار لوگ اس کی طرف زیادہ مائل ہوں۔اس کی صحبت میں چند بار بیٹھنے سے دنیا کی محبت میں کمی اور حق تعالیٰ کی محبت میں ترقی محسوس ہوتی ہو۔خود بھی ذاکر و شاغل ہو کیونکہ بدوں عمل یا عزم عمل، تعلیم میں برکت نہیں ہوتی۔ مصلح ہو، نرا صالح ہونا کافی نہیں، شیخ ہونے کے لیے دونوں کے جمع کی ضرورت ہے کہ صالح بھی ہو اور مصلح بھی ہو (یعنی فن کا جاننا اور اس میں مہارت ہونا ضروری ہے تا کہ جو مرض باطنی بیان کرے اس کو بہت توجہ سے سن کر اس کا علاج تجویز کرے، جو علاج تجویز کرے اس سے دم بدم نفع ہوتا چلا جائے اور اس کی اتباع کی بدولت روز بروز حالت درست ہوتی جائے۔

جس شخص میں یہ علامات ہوں پھر نہ دیکھے کہ اس سے کوئی کرامت صادر ہوتی ہے یا نہیں، یا یہ شخص صاحب تصرفات ہے یا نہیں، یا اس کو کشف ہوتا ہے یا نہیں، یا یہ جو دعا کرتا ہے قبول ہوتی ہے یا نہیں۔ کیونکہ یہ امور لوازم مشیخت یا ولایت نہیں۔اسی طرح یہ نہ دیکھے کہ اس کی توجہ سے مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگتے ہیں یا نہیں، کیونکہ یہ بھی لوازم بزرگی سے نہیں، اصل میں یہ ایک نفسانی تصوف ہے جو مشق سے بڑھ جاتا ہے غیر متقی بلکہ غیر مسلم بھی کرسکتا ہے اور اس سے چنداں نفع بھی نہیں کیونکہ اس کے اثر کو بقاء نہیں ہوتا۔صرف مرید غبی کے لیے جو ذکر سے اصلاً متاثر نہ ہوتا ہو چند روز تک شیخ کے اس عمل سے اس میں ایک گونہ تاثیر و انفعال قبول آثار ذکر کا پیدا ہو جاتا ہے یہ نہیں خواہ مخواہ لوٹ پوٹ ہی ہو جائے۔(34)

یہ امر تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ فیوض باطنی کے لیے پیر و مرید کی باہمی مناسبت فطری شرط ہے کیونکہ نفع عادتاً الفت پر موقوف ہے، اور مناسبت شیخ کے معنی یہ ہیں کہ شیخ سے مرید کو اس سے موانست ہو جائے کہ شیخ کے کسی قول و فعل سے مرید کے دل میں طبعی نکیر پیدا نہ ہو، گو عقلی ہو یعنی شیخ کی سب باتیں مرید کو پسند ہوں اور مرید کی سب باتیں شیخ کو پسند ہوں اور یہی مناسبت بیعت کی شرط ہے۔لہٰذا پہلی مناسبت پیدا کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے اس کی سخت ضرورت ہے، جب تک یہ نہ ہو مجاہدات، ریاضات، مراقبات و مکاشفات سب بے کار ہیں کوئی نفع نہ ہوگا۔اگر طبعی مناسبت نہ ہو تو عقلی مناسبت پیدا کرلی جائے۔اسی پر نفع موقوف ہے۔اس لیے جب تک پوری مناسبت نہ ہو بیعت نہ کرنی چاہئے جب پوری طرح راہ پر پڑ جائے خوب محبت اور مناسبت ہو جائے اس وقت پیر سے بیعت زیادہ نافع ہے۔اسی طرح بیعت کی اصلی بڑی ضرورت رفاقت یا شیخ کی محبت و تعلق ہے تا کہ راستے کے خطرات یا اس کی ٹھوکروں سے حفاظت ہو۔محبت شیخ میں طالب (مرید) دیدہ طور پر اپنے اندر اخلاق کو لے لیتا ہے۔صحبت نیکان کے متعلق شیخ سعدی کا یہ قطعہ بہت عجیب اور مناسب ہے، فرماتے ہیں کہ:۔

گلے خوشبوئے درحمام روزے رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری کہ از بوئے دلاویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم ولیکن مدتے با گل نشستم
جمال همنشین درمن اثر کرد وگرنہ من همان خاکم کہ هستم

(35)

یعنی ایک دن حمام میں ایک محبوب کے ہاتھ سے ایک خوشبودار مٹی مجھ کو ملی، میں نے اس سے کہا تو مشک ہے یا عنبر ہے کہ تیری دلاویز خوشبو سے میں مست ہوگیا ہوں۔اس نے جواب دیا کہ میں ناچیز اور معمولی مٹی تھی مگر ایک مدت پھول کے ساتھ میری صحبت رہی، میرے ہم صحبت کی خوبی نے مجھ میں اثر کیا، ورنہ میں تو وہی خاک ہوں جیسی کہ پہلے تھی۔

اسی طرح صحبت شیخ میں خاصیت ہے کہ شیخ کے اندر جو چیز ہے اور بعینہ آپ کے اندر بھی آئے گی۔اگر اصلاح کامل نہ بھی ہو تو کم از کم اپنے عیوب پر ہی نظر ہونے لگتی ہے یہ بھی کافی اور مفتاح طریق ہے۔اخلاق و عادات میں اس کا اتباع کریگا تو اذکار وعبادات میں نشاط اور ہمت کو قوت ہوگی۔جو حال غریب (یعنی عجیب پیش آئے گا اس باب میں اس سے تشفی ہو جائے گی۔عمل کا شوق بڑھتا ہے۔اپنی استعداد معلوم ہو جاتی ہے۔اہل محبت کی صحبت سے محبت پیدا ہوتی ہے۔مشائخ اعمال صالحہ کی وجہ سے بابرکت ہوتے ہیں' اس لیے ان کی تعلیم میں بھی برکت ہوتی ہے جس کی وجہ سے جلد شفا ہو جاتی ہے۔اہل اللہ کی صحبت کے مؤثر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بار بار اچھی باتیں جب کان پڑیں گی تو کیوں اثر نہ ہوگا۔ایک بار نہ صحیح، دوسری بار نہ صحیح، تیسری دفعہ تو اصلاح ہو ہی جائے گی۔اور ایک سبب باطنی بھی ہے وہ یہ کہ جب تم ان کے پاس رہو گے اور تعلق بڑھاؤ گے تو اس سے دو طرح اصلاح ہوگی ایک تو یہ کہ وہ دعا کریں گے اور ان کی دعا مقبول ہوتی ہے تو حق تعالیٰ تم پر فضل فرمائیں گے' اور اکثر یہ ہے کہ ان کی دعا باذن حق ہوتی ہے تو ان کے منہ سے دعا نکلنا اس بات کی علامت سمجھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ کے فضل ہونے کا وقت آ گیا ہے۔دوسری وجہ بڑی خفی ہے وہ یہ کہ تمہارے اعمال میں ان کی محبت سے برکت ہوگی اور جلد جلد ترقی ہوگی اور جلد اصلاح ہو جائے گی۔ان حضرات کے دل خدا کے نور سے روشن ہیں' ان کے پاس رہنے سے نور آتا ہے' اور جب نور آتا ہے تو ظلمت بھاگ جاتی ہے، پس اس نور سے ہر چیز کی حقیقت کھل جاتی ہے اور شبہ جاتا رہتا ہے' بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اگر طبیعت میں سلامتی ہو تو بدوں پاس رہے' صرف ان حضرات کا دیکھ لینا ہی کافی ہو جاتا ہے اور اگر اس درجہ کی سلامتی نہ ہو تو البتہ پھر چند دنوں کی صحبت کی بھی ضرورت ہے۔ (36)